# تعمیرِ حیات لکھنؤ

ہفت روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۲۰ | ۲۵ دسمبر ۱۹۸۲ء — ۸ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ | شمارہ ۴


ادار یہ

ابوالعرفان ندوی

## نصابِ تعلیم کے تغیرات

ہندوستان میں مدارس عربیہ کے نصاب درس اور نظام درس کی ایک طویل تاریخ ہے قطب الدین ایبک سے لے کر اس زمانہ تک اس نصاب درس میں اس قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اس وقت کا قدیم نصاب درس چھٹی صدی ہجری کے نصاب درس سے بالکل مختلف اور بالکل الگ ہوگیا ہے،

مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنیؒ نے ہندوستان کے نصاب درس اور عہد بہ عہد اس کے تغیرات پر ایک بہت ہی جامع محققانہ رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو اس موضوع پر حرف آخر اور قول فیصل ہے انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ عمومی مطالعہ اور اہم موضوعات پر محققین اور موضوع کے ماہرین کی نگارشات کو دیکھنے اور ان سے استفادہ کا رواج بہت کم ہوگیا ہے، اس لئے یہ رسالہ بھی جس اعتنار اور اہمیت کا مستحق تھا اس سے محروم رہا، اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ نصاب تعلیم کو قدیم و جدید میں تقسیم کرنا ویسی ہی فاش غلطی ہے جیسی کہ علوم اور فنون کو شرقی اور مغربی کہہ کر اس کو تقسیم کرنا ہے۔

نصاب تعلیم کے عہد بہ عہد تغیرات اس طرح پیش آئے ہیں کہ ان میں کوئی ایسی حد فاصل نہیں ہے جو اس کو قدیم و جدید کے دو خانوں میں تقسیم کردے۔ ہندوستان کے سیاق میں جب ہم غلطی سے قدیم اور جدید کی اصطلاح بولیں گے، تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس عہد کا اور کن خصوصیات کا حامل نصاب تعلیم قدیم ہے، التمش و بلبن کے عہد کا نصاب تعلیم، عہد علائی کا نصاب تعلیم، لودی عہد کا نصاب تعلیم، عہد اکبری کا نصاب تعلیم یا پھر مغل سلطنت کے عہد زوال کا نصاب تعلیم، پھر اس عہد کا نصاب تعلیم بھی ایک نہیں رہا ہے، شاہ ولی اللہؒ نے جس نصاب تعلیم کو پڑھا اور جس کی طرف رہنمائی کی اور نصاب سے زیادہ نظام تعلیم و نظام تدریس کی جو متعین اور نافع شکلیں بیان فرمائیں وہ قطعاً مختلف ہے اس نظام و نصاب تعلیم سے جو دیار پورب میں ٹھیک عہد ولی اللہی ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ کی زیر رہنمائی جاری وساری تھا، اور اسی عہد میں ایک تیسرا نظام و نصاب تعلیم بھی تھا، جس کے خاص نمائندہ ملاجیون تھے اور جو گجرات سے شمالی ہند میں آیا، دہلی اور اس کے اطراف میں جو نصاب درس رائج تھا اس میں علوم آلیہ کی وہ کثرت نہیں تھی جو بعد میں عام طور پر مدارس عربیہ کے نصاب میں ہم پاتے ہیں اور جس کو عام طور پر درس نظامی کہا جاتا ہے۔

ملاجیون نے جو نصاب درس پڑھا وہ قطعاً مختلف تھا اس نصاب درس سے جو شاہ ولی اللہؒ نے پڑھا اور جس نصاب درس کو شاہ ولی اللہؒ نے پڑھا وہ مختلف تھا اس نصاب درس سے جس کو ملا عبدالعلی بحرالعلوم فرنگی محلی نے پڑھا اور ان تینوں کا اپنے اپنے درجات و مراتب کے فرق کے ساتھ شمار علماء اعلام اور کبار محققین میں ہے ۱۱۹۵ھ کے بعد عام طور پر مدارس عربیہ میں جو نصاب درس جاری ہوا اور اس سے بڑھ کر جو نظام درس رائج ہوا وہ بالکل مختلف تھا ان نظام و نصاب درس سے جو بارہویں اور تیرہویں ہجری کے نصف اول میں ولی اللہی سلسلہ میں رائج تھا اس لئے مہارت و فضیلت کو کسی ایک نصاب درس کے ساتھ مخصوص سمجھ لینا یہ واقعاتی اور تاریخی حیثیت سے غلط ہے۔

دینی نصاب درس کی اصل روح کتاب وسنت کا علم حاصل کرنا ہے اور دین کو براہ راست اس کے اصل سرچشموں سے جاننا اور سمجھنا ہے اس لئے تفسیر، حدیث اور فقہ اور اس سے قریبی تعلق رکھنے والے اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ جیسے علوم کی تعلیم لابدی اور ضروری ہے اس کے بعد چونکہ کتاب وسنت کا براہ راست علم بغیر عربی زبان جانے ہوئے ممکن نہیں ہے، اس لئے عربی زبان اور اس کے قواعد اور اصول بھی نصاب تعلیم کا ضروری جز ہیں، اب اس کے بعد جو دوسرے علوم پڑھائے جاتے ہیں اس میں حالات زمانہ کی رعایت اور جائز دنیاوی مصالح پیش نظر رہتی ہیں۔ مغلی عہد اور اس سے پہلے زمانوں میں فارسی زبان حکومت کی سرکاری زبان تھی، اس لئے فارسی زبان بھی نصاب تعلیم کا جز تھی، یہاں تک کہ بعض علماء نے نحو وصرف کے بنیادی مضامین پر فارسی زبان میں رسالے اور کتابیں لکھیں تاکہ بیک وقت طالب علم کی فارسی زبان بھی مضبوط ہو اور عربی زبان کے لئے تیار ہو لیکن اب اس کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اب فارسی زبان نہ ہماری سرکاری زبان ہے، نہ ہماری مادری زبان ہے اور نہ ہماری ندہبی زبان ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اب فارسی زبان سے مدارس عربیہ میں اعتنا اور اس کی طرف توجہ بہت کم بلکہ نہیں کے برابر ہوگئی ہے یہی حال فلسفہ ومعقولات کے نصاب درس میں داخل ہونے کا ہے، امام غزالیؒ کے پہلے تک جو نصاب درس نظامیہ نیشاپور اور خراسان کے دوسرے شہروں میں رائج تھا اور نظامیہ بغداد میں جو نصاب رائج تھا اس میں فلسفہ ومعقولات بالکل نہیں تھے اور پھلی صدی سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک مدارس عربیہ کے درس میں فلسفہ ومعقولات کا سراغ نہیں ملتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام کی ابتدائی چار پانچ صدیاں مسلمانوں کی سنہری گڑی ہیں اس عہد میں جو علماء اور محققین

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)


اس سے دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو دی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ ویٹ دی۔ پی خرچ Rs.24/25 کے مطالبہ میں دی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔




# ہم خانہ جنگی کی طرف بڑھ رہے ہیں

کیول ورما (رویوار)

مغربی اتر پردیش کا ہر شہر بیروت بنتا جارہا ہے۔ میرٹھ فرقہ واریت کی آگ میں جل رہا ہے اور دھیرے دھیرے یہ آگ مغربی اتر پردیش کے دوسرے شہروں تک پھیلتی جارہی ہے۔ اس نے مغربی اتر پردیش کے ہر شہر کو ہندو شہر اور مسلم شہر کی شکل میں بانٹ دیا ہے اگر یہ آگ نہ بجھی تو خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

سب سے افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہندوستان کے موجودہ نظم ونسق اور ریاست کے پاس نہ تو اس فرقہ واریت پر قابو پانے کی صلاحیت ہے نہ فکر اور نہ ہی قوت ارادی۔ اس نظم ونسق میں نہ صرف مسز اندرا گاندھی کی حکمراں پارٹی، بلکہ مخالف پارٹیاں اور رابطہ عامہ کے ذرائع نیز ایڈمنسٹریشن بھی شامل ہے۔ سرکاری نظم ونسق کا یہ دیوالیہ پن میرٹھ کے فساد پر پارلیمنٹ میں ہوئی بحث اور اخبارات و رسائل کے تبصروں اور رپورٹوں سے عیاں ہے۔ میرٹھ کا فساد خاص شکل میں ہمارے سماجی اور سیاسی ڈھانچے کو ناکامی ظاہر کرتا ہے۔ اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنے کے بجائے سبھی نے مسائل سے فرار اور ساری ذمہ داری انتظامیہ کے سر منڈھنے کا آسان طریقہ اختیار کیا ہے جب سیکولر طاقتیں مضبوط نہ ہوں اور فرقہ پرست عناصر جارحیت کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہوں تو فسادات کو روکنے کے لئے انتظامیہ کر ہی کیا سکتا ہے۔ کہنے کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ ایڈمنسٹریشن کی سطح پر کوئی گڑبڑی نہیں ہے بلکہ ایڈمنسٹریشن کا ایک بڑا حصہ خاص طور سے پی۔ اے۔ سی تو فرقہ پرستی کے جراثیم کی تکمیل کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اب تک کانگریس ریاست میں ایک مضبوط سیکولر قوت رہی ہے، ایسی متعدد مثالیں ہیں جب کانگریسیوں نے جنونی بھیڑ کا مقابلہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اقلیت کے کسی فرد پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے ہمیں مارنا ہوگا۔ لیکن اب نہ وہ دن رہے اور نہ کانگریس کا قابل ذکر کیڈر مسز اندرا گاندھی کانگریسیوں کے غیر کانگریسی بنانے میں کامیاب رہی ہیں۔ آج آپ کسی بھی فرقہ وارانہ فساد میں چاہے جتنے لوگوں کو مار کر لوگوں کو فساد کی ترغیب دے کر دلی آسکتے ہیں اور اندرا گاندھی زندہ باد اور راجیو گاندھی زندہ باد کا نعرہ لگاکر الیکشن میں کانگریس کا ٹکٹ حاصل کرسکتے ہیں۔ آج کی کانگریس میں پارٹی کے اصولوں اور پروگراموں سے وفاداری کی جگہ مسز گاندھی اور ان کے بیٹے کے ساتھ عقیدت نے لے لی ہے۔ اس کے چلتے اندرا کانگریس کا مسلمان ایم۔ ایل۔ اے، میرٹھ میں مسلمانوں کو اور ہندو ایم۔ ایل۔ اے۔ ہندوؤں کو مشتعل کر رہا تھا۔ پارلیمنٹ میں بحث کے دوران بھی کانگریس آئی کے مسلمان ممبر لب۔ اے۔ سی کو کوس رہے تھے۔ کانگریس آئی کے ہی ایک ممبر شریمتی گوربندر برابر کہہ رہی تھیں کہ پی اے سی نے میرٹھ میں اچھا کام کیا ہے اور اسے وہاں رہنا چاہیے۔

یہ تو رہی کانگریس آئی کی بات، ذرا کمیونسٹوں کی طرف بھی مخاطب ہوں۔ مارکسی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر سرمکھرجی نے شکایت کی کہ میرٹھ کے فساد پر راجیہ سبھا میں جو بحث ہوئی اس سے ہندوؤں میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ سرکار مسلمانوں کی طرفداری کر رہی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ قومی تحریک کی آگ میں تپے تپائے نبوودری پدنے اپنی پارٹی کے ایک ممبر کو اس طرح کا بیان دینے کی اجازت کیوں دی۔

فرقہ پرست نے مسلمانوں کی حمایت کا الزام دیتے ہوئے پاکستانی ایجنٹ کہا تھا اور فرقہ وارانہ جنون پھیلانے والی افواہوں نے ان کو ہلاک کرایا تھا۔ مارکسی کمیونسٹ پارٹی اپنے کو فرقہ واریت مخالف کہتے نہیں تھکتی لیکن اس کے پالیمانی لیڈر مشرکو اپوزیشن دنہ میں جس میں بھارتیہ جنتا پارٹی بھی شامل تھی کے ساتھ میرٹھ جانے کو تیار ہوگئے۔ وہ یہ بھول گئے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیڈر اٹل بہاری باجپئی نے جس نہتا عدم کو لے کر فساد بھڑکایا اس میں ہندوؤں کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے فرقہ وارانہ جذبات کو ابھارا تھا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے فرقہ وارانہ رویہ کے بارے میں رہے سہے شک کو اس کے نائب صدر رام جیٹھ ملانی نے فساد میں پی اے سی کے طرز عمل کو درست قرار دے کر رفع کر دیا۔

آزادی کے بعد اقلیتوں کی حفاظت کا سوال ہندوستانی سیکولرزم کا اہم پہلو رہا ہے۔ سنبھل کے دنگے کو چھوڑ کر ۱۹۴۷ء سے اب تک ملک میں جتنے بھی دنگے ہوئے ان میں ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کے ہی جان اور مال کا زیادہ نقصان ہوا ہے۔ اقلیتوں کی حمایت میں خاص طور پر دنگے کے بعد کسی کو بھی آواز بلند کرنے میں شرم محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ یہی ہندوستانی سیکولرزم کی روایت رہی ہے لیکن سوشلسٹوں کا کردار اس حد تک پست ہوچکا ہے کہ مدھو ڈنڈوتے نے لوک سبھا میں کہا کہ ہندو پی اے سی زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے پائے گئے اس لئے ہم پی اے سی کی حمایت یا مخالفت میں کچھ نہیں کہوں گا۔

جنتا حکومت کی ناکامی اور مخالف پارٹیوں کو موقعہ پرستی نے بھارتیہ جنتا پارٹی کو ایک باعزت پوزیشن عطا کر دی ہے۔ شاہی امام کے میرٹھ میں داخلے پر روک لگائی جاسکتی ہے لیکن اٹل بہاری باجپائی پر نہیں بشری باجپائی نے آج ایسی سیاسی اور سماجی اہمیت حاصل کرلی ہے کہ انتظامیہ فرقہ وارانہ کشیدگی کے باوجود ان پر پابندی عائد کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ چھوٹی مخالف پارٹیاں الیکشن میں کامیابی کے لئے بھارتیہ جنتا پارٹی پر اس درجہ انحصار کرنے لگی ہیں کہ فرقہ واریت کے اہم سوال پر بھی وہ اپنے اصولوں اور نظریات پر اڑ نہیں سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوک دل (چرن) کے رشید مسعود نے کہا کہ میرٹھ کے فساد کے لئے آر ایس ایس اور جماعت اسلامی کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ لوگوں میں شاہی امام کی مذمت کرنے کی اخلاقی جرأت نہیں ہے۔

سیاست دانوں کی طرح ذرائع ابلاغ بھی فرقہ واریت کے سوال پر تذبذب کا شکار ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے اخباری گروپ جو رائے عامہ بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے دانستہ یا نادانستہ ایسی رپورٹیں شائع کیں جنھوں نے آگ میں گھی کا کام کیا۔ بمبئی کے بائیں بازو کے ترقی پسند کہلانے والے ہفتہ وار اخبار نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ میرٹھ کے پجاری کا قتل ایک پاکستانی ایجنٹ نے کیا تھا۔

اسی طرح کچھ نام نہاد گاندھی وادیوں کو اندرا گاندھی اور کمیونسٹوں سے لڑنا فرقہ پرستی سے لڑنے کے مقابلے میں زیادہ ضروری لگتا ہے۔ ان کے لئے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ گاندھی جی نے فرقہ واریت سے لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی۔

۱۹۷۱ء کی بنگلہ دیش کی لڑائی نے ہندوستانی مسلمانوں کے پاس پاکستان جاکر بس جانے کا جو ایک متبادل راستہ تھا۔ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اب انھیں اسی ملک میں جینا اور مرنا ہے اس لئے اب وہ پلٹ کر جواب دیتے ہیں۔ ان کا یہ لڑاکو پن دو وجہ سے بڑھتا ہے۔ اول مغربی ایشیا میں مسلمان کاریگروں کو کام ملنے سے ان کی اقتصادی حالت میں کچھ سدھار ہوا ہے۔ دوسرے ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے اسلام کے عروج نے بھی ان میں خود اعتمادی پیدا کی ہے اس سے ہمارے سماج میں ٹکراؤ کی حالت پیدا ہورہی ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء کی دہائی میں بھی اس طرح کی قوتوں سر اٹھایا تھا لیکن اس وقت گاندھی جی زندہ تھے۔

آزادی ملنے کے برسوں بعد تک گاندھی اور نہرو کی وراثت کے طور پر بھارت میں سیکولرازم برقرار رہی۔ لیکن اب وہ دھندلی پڑنے لگی ہے۔ ملک میں سیکولرازم کو از سر نو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ بدنصیبی یہ ہے کہ آج ملک میں ایسی کوئی اخلاقی قوت نہیں رہ گئی ہے جو اس کام کو کر سکے۔ ملک میں صرف سیاست داں رہ گئے ہیں جرچل نے ایک بار کہا تھا سیاست داں صرف اگلے چناؤ کے بارے میں اور حکمراں اگلی نسل کے بارہ میں سوچتے ہیں۔ (ماخوذ)

مولانا سید سلیمان ندوی رح

# رسولِ وحدت

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

مسلمانو! آج کی مجلس وہ مجلس ہے جس میں سرکار نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب اور محامد و محاسن کے سننے کے لئے ہم سب جمع ہوئے ہیں، ضرورت ہے کہ ہم اپنے ہادی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل ومحاسن اس طرح سنیں کہ جن سے ہمارے لئے موجودہ دنیا میں راہیں کھلیں اور ہمارے موجودہ مشکلات آپ کے ذکر کے وسیلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام حق بین کے ذریعہ سے حل ہوں، دوست و دشمن اور موافق و مخالف سب کو تسلیم ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی سب سے اولین اور آخرین خصوصیت توحید کی تعلیم ہے مگر اب تک اس لفظِ توحید کو ایک خاص اصطلاح میں استعمال کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ آپ نے خدائے تعالیٰ کی وحدت کی کامل تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن آؤ آج ہم اسی ایک لفظ کی تحلیل کریں اور دکھائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحدت کی تعلیم کس کس رنگ سے پیش کی ہے اور کس کس پہلو سے مکمل کی ہے۔

دنیا وجود کا سب سے بڑا طلسم وحدت وکثرت کی نیرنگی ہے اور ہم کو بظاہر ہر طرف کثرت ہی کی نیرنگیاں نظر آتی ہیں۔ ظاہر بین نگاہیں کثرت کی انہیں نیرنگیوں میں الجھ کر اور واحد کو کثیر دیکھ کر موحد سے مشرک بن جاتی ہیں مگر حقیقت شناس نگاہ کثرت کے رنگارنگ پردوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھ لیتی ہے۔ دیکھنے والوں کو آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، دریا نظر آتے ہیں، پھر آسمان میں آفتاب ماہتاب، سبع سیارہ اور دوسرے ستارے دکھائی دیتے ہیں، زمین میں انسان، حیوان، درخت، پہاڑوں میں چٹانیں اور غار۔ دریاؤں میں روانی سیرابی اور موجیں ہمارے سامنے آتی ہیں تو انسانوں نے ان سب کو کثرت کی جلوہ انگیزیاں سمجھ کر ان میں سے ہر ایک کو اپنا اپنا خدا اور دیوتا بنایا۔ کسی نے آفتاب کو پوجا، کسی نے ماہتاب کو، کسی نے دریا کو اور کسی نے پہاڑ کو، لیکن ایک موحدِ اعظم کی نگاہوں نے ان کثرتوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھا، اور پکار اٹھا کہ میں ان کے نہیں، بلکہ ان سب کے ایک اور واحد اور تنہا خالق کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

"انی وجھت وجھی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین"۔

(میں نے اپنا منہ سب کی طرف سے پھیر کر اس کی طرف کیا جو ان آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، موحد بن کر اور میں دوسروں کو خدائے برحق کا ساجھی نہیں مانتا)

دنیا کے تمام علوم وفنون اور فلسفہ وسائنس کی تمام شاخوں کی پوری کوششیں اور تحقیقیں صرف اسی ایک اصل کی فرع ہیں کہ ان رنگارنگ کثرتوں میں وحدت کی تلاش کی جائے اور اس ایک علت کا پتہ چلایا جائے جس کی یہ تمام کثرتیں اثر اور نتیجہ ہیں جس علم وفن میں جس حد تک حقیقت کی منزل قریب ہوتی جاتی ہے وحدت کا چہرہ نمایاں سے نمایاں تر ہوتا جاتا ہے۔

عہد جاہلیت میں انسان ہر کام کا ایک الگ دیوتا مانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ دنیا کے تمام افراد اور واقعات کا تعلق علیحدہ علیحدہ فاعلوں اور مؤثروں سے ہے۔ اور وہ ان سب کو پوجتا تھا۔ بیماری کا الگ خدا تھا بلکہ ہر بیماری کا ایک الگ دیوتا تھا جس کی پرستش ہوتی تھی۔ جنگ کا الگ، صلح کا الگ، پیداوار کا الگ، علم کا الگ، دولت کا الگ، خیر کا الگ اور شر کا الگ۔ لیکن اس سے پہلے کہ سائنس اس باطل کا انکار کرے دینِ حق نے اس کے تار وپود بکھیر دئے اور تعلیم دی کہ وہ ایک ہی ہے جو آسمان سے زمین تک سب پر فرماں روا ہے اور ایک ہی حکم ہے جو عرش سے فرش تک جاری ہے۔

"وھو الذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ" (زخرف)

(اور وہی ایک ہے جو زمین وآسمان دونوں میں فرمانروا ہے)

یہی وہ حقیقت باہرہ ہے جو توحید کا جوہر ہے، صلح وجنگ، دولت وافلاس، نعمت وزحمت، کامیابی وناکامی، غرض دنیا کے ہر کام اور ہر شے کا تعلق صرف اسی ایک ذات سے ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔

اس تعلیم نے دیوتاؤں، دیویوں، ستاروں، فرشتوں، پیغمبروں، ولیوں اور شہیدوں کی طوائف الملوکیوں کا خاتمہ کرکے آسمان وزمین میں صرف ایک شاہنشاہی قائم کی اور تمام عالم کو ایک نظام ربانی کے قبول کرنے کی دعوت دی، دنیا کے مختلف مذاہب کو لے کر جو انبیائے کرام مبعوث ہوئے وہ اسی سب سے بڑی حقیقت کو لیکر آئے مگر افسوس ہے کہ یہ حقیقت پوری طرح واشگاف ہوکر لوگوں کے سامنے نہیں آئی اور آخر دنیا کو، دنیا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار رہا کہ آپ کی بعثت اس حقیقت کو اس وضاحت اور شرح وتفصیل اور تکمیل کے ساتھ پیش کرے کہ دنیا اس کو قبول کرکے پھر بھلا نہ سکے۔

چنانچہ توحید یا وحدتِ الٰہی کی تعلیم جس تفصیل اور تشریح کے ساتھ آپ نے دی وہ آپ کی تعلیم کی امتیازی خصوصیت بن گئی ہے۔ اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی واحد ہے اور اپنی صفات کاملہ کے لحاظ سے بھی واحد و منفرد ہے اور اپنی عبادتوں کے لحاظ سے بھی غیر شریک ہے وہ نہ ۳۳ کروڑ صفات کے جلووں میں ۳۳ کروڑ ہے اور نہ تین اقانیم میں منقسم ہوکر واحد ہے اور نہ وہ دو متضاد احوال کی بنا پر دو ہے بلکہ وہ ایک، واحد، متفرد، منفرد اور غیر شریک ہے۔ نہ کسی پیغمبر کو یہ قدرت ہے کہ وہ اس کی الوہیت میں ذرہ برابر شریک ہوسکے اور نہ کسی نمرود وفرعون یا کسریٰ وقیصر اور مہاراج کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کی شاہنشاہی اور ربوبیت میں شرکت کا دعویٰ کرکے انا ربکم الاعلیٰ کی آواز بلند کرسکے۔

لیکن توحید کی تکمیل ابھی ایک اور قدم کی محتاج تھی اور وہ یہ تعلیم تھی کہ وہ واحد منفرد جو ہمارا خدا ہے جس طرح وہ اپنی ذات وصفات وعبادات میں واحد ومنفرد ہے، اسی طرح اپنے تعلق کے لحاظ سے بھی منفرد ہے یعنی یہ کہ وہی جو ہمارا ایک خدا ہے وہی ہر ذرہ خاک ہر مور ومگس اور کاہ وخاشاک سے لے کر آفتاب وماہتاب انسان وحیوان اور گل وگلزار کا واحد خالق ومالک ہے ماسوا میں جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق، سب اس کے بندے اور سب اس کے محکوم ہیں۔ تمام کائنات اسی ایک کے قبضۂ قدرت میں ہے پست وبلند، نشیب وفراز اور فرش وعرش سب اسی ایک کے زیر فرمان ہیں۔

بہت سے انسانوں نے اس کو ایسا مانا تھا کہ وہ انہیں کا ہے، دوسروں کا نہیں، انہوں نے انسانوں کے اندر پستی وبلندی اور شرافت ورذالت کے درجے اور مرتبے قائم کرکے یہ یقین پیدا کرلیا تھا کہ وہ صرف ہم بلند وشریف انسانوں کے طبقہ کا واحد خدا ہے اور بقیہ پست وذلیل مخلوقات اس قابل نہیں کہ وہ اس سے تعلق کی نسبت رکھ سکے وہ ایک خدا تھا مگر صرف ایک خاندان یا کسی ایک قوم یا کسی ایک مذہب کا سپید رنگ شریف النسل آریہ صرف اپنے ہی لئے اس کو خاص تصور کرتے تھے اور پھر یہ بھی ایرانی اور آریہ ورت کے رہنے والوں میں منقسم ہو کر اس طرح دو ہو گئے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو بجائے خود یہی دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ کی بندگی خاص کے صرف وہی اہل ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ اگر ایک کے یہاں لفظ دیوتا الوہیت اور خدائی کے معنی دیتا ہے تو وہی لفظ دوسرے کے یہاں بصورت دیو وجن وشیطان کے معنی بخشتا ہے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان کے دو حصوں شمالی اور جنوبی میں شیو اور وشنو جو دونوں خالق وقیوم کے معنوں میں ایک ہی ذات پر دلالت کرتے ہیں وہ ہندوؤں کے دو حصے کردیتے ہیں۔ ایک شیو کو پوجنے والے اور دوسرے وشنو کو ماننے والے، پاک نژادان ایران کا دہورمزدان کا خدا تھا۔ مگر ہندو آریوں میں وہ سورج سے زیادہ نہیں۔ ہندو آریوں میں سے برہمنوں نے اپنا وہ خدا مانا جو صرف انہیں کا خدا تھا جس نے اپنے منہ سے ان کو پیدا کیا اور دوسری ہندو قوموں کو اپنے بازوؤں اور ٹانگوں سے۔

سامیوں کا خدا صرف انہیں کا تھا بلکہ بنی اسرائیل کے نزدیک وہ خاص ان کے خاندان کا خدا تھا۔ وہ ابراہیمؑ کا اسحٰقؑ کا، یعقوب کا خدا تھا۔ حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد سے پوچھتے ہیں کہ میرے بعد کس کی پرستش کروگے؟ جواب ملتا ہے الٰھک والٰہ آبائک ابراھیم واسحاق، حضرت موسیٰؑ کے عہد میں مصر کے جادوگر



# پیامِ سیرتؐ

ماسٹر محمد نذیر خاں، آزاد انٹر کالج، بہرائچ

دنیا کی عظیم الشان غلطی یہ ہے کہ لوگوں نے خدا کے بندوں کے درمیان حسب ونسب، مال ودولت اور رنگ وزبان کی ناقابل عبور دیواریں کھڑی کردی ہیں۔ ہندوستان آج تک اپنے سوا سب کو نیچ اور ناپاک سمجھتا آرہا ہے۔ مہذب رومیوں نے اپنے سوا سب کو اپنی غلامی کے لئے مخصوص سمجھا۔ بنی اسرائیل نے خود کو خدا کی اولاد قرار دیا اور دوسروں کو چنڈال بنایا۔ تہذیب اور مساوات کے علمبردار یورپ نے سفید آدمی کو علم وحکمرانی کا اہل قرار دیا۔ ایشیائی قومیں اُن کے ساتھ سفر میں بھی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتیں۔ امریکہ کے انسانیت پرستوں کی نگاہ میں نیگرو باشندوں کو جینے کا بھی حق نہیں ہے۔ وہاں کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ، کالے اور گورے بندے ایک ساتھ ایک خدا کے آگے جھک نہیں سکتے۔ لیکن محمدی پیغام نہ صرف سارے انسانوں کو برابر کا انسانیت کا حق دیتا ہے بلکہ ساری مخلوقات کے لئے رافت ورحمت ہے۔ پیغام محمدیؐ ہے کیا؟ وہ انسان اور انسان کے درمیان ایسی ہر قدیم وجدید تفریق کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اسلام کے نزدیک حسب ونسب، مال ودولت، رنگ وزبان میں سے کوئی چیز انسان اور انسان کے بیچ امتیاز پیدا نہیں کرسکتی۔ وہ قریش جن کو حسب ونسب پر غرور تھا، فتح مکہ کے دن حرم کعبہ میں کھڑے ہوکر آپؐ نے ان کو باآواز بلند بتادیا، "اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹادیا۔ تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ کے مجمع میں آپ نے پھر اعلان فرمایا، "عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔ پیام محمدیؐ میں خدا کی نگاہ میں سب برابر ہیں یہاں نہ کوئی اچھوت ہے نہ برہمن۔ بلکہ عمل اور نیکی پر چھوٹائی، بڑائی کا دارومدار ہے۔ ہر ایماندار کے ہاتھ میں قرآن دیا جائے گا نماز سب کے پیچھے ایک ہی مسجد میں پڑھی جائیگی رشتہ ناطہ ہر ایک کا ہر ایک سے ہوسکتا ہے۔ تحصیل علم وشرف ہر ایک کا حق ہے۔

آپؐ کی سیرت ہے کیا؟ آپؐ کی سیرت زندگی سے کٹے ہوئے ایک درویش کی سرگذشت نہیں ہے جو انسانوں سے کٹ کر اپنی انفرادی تعمیر میں منہمک رہا ہو۔ وہ ایک ایسی ذات کی داستان حیات ہے جو ہر عہد کے لئے معمارِ اعظم ہے۔ وہ محض ایک انسان کی نہیں بلکہ ایک انسان ساز کی روداد زندگی ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ غار حرا سے لے کر طائف کے بازاروں تک، امہات المومنینؓ کے حجروں سے لے کر میدان ہائے جنگ تک پھیلی ہوئی ہے۔ ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ، عمار ویاسرؓ، خالدؓ وابوذرؓ اور بلال وصہیب رضی اللہ عنہم سب کے سب ایک ہی کتاب کے روشن اوراق ہیں، ایک چمن کا چمن ہے، جس کے لالہ وگل اور نرگس ونسترن کے ایک ایک پتہ پر اس چمن کے مالی کی داستانِ حیات مرقوم ہے۔ آپؐ کی ۲۳ سالہ جدوجہد اور تربیت سے جو انسانی کردار بنا اس کی تابانی دیکھئے تو عقل کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ جیسا اکڑ کا بادہ خوار نوجوان بدلا تو کہاں پہونچا؟ فضالہؓ میں تبدیلی آئی تو کس شان کی آئی؟ مصعب ابن عمیرؓ سے ایثار کا سبق حاصل کیجئے! ابوذرؓ کے انقلابی جذبے عزیمت کا درس لیجئے! کعب ابن مالک کا کردار دیکھئے! لُبینہؓ اور سُمیہؓ سے جان قربان کرنے کی ادا سیکھئے۔ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کی جرأت کا مظاہرہ ملاحظہ کیجئے۔ ایرانی سپہ سالار کے دربار میں حضرت ربعی ابن عامرؓ کی شان استغنا سے روح اخذ کیجئے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کے فروغ کی ذمہ داری اس قوم پر ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے۔ اس ذمہ داری کا تقاضا تھا کہ ہر ایک مسلمان کی زندگی سے آپ کے اسوہ حسنہ کی روشنی جھلکتی، انکی ہر توں سے سیرت نبوی کی خوشبو پھوٹتی۔ مگر افسوس ہے کہ صورت واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے! انفرادی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سے منور ہو۔ اجتماعی ہیئت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو آپ کے کردار کی خوشبو سے مہک رہا ہو، عادات واطوار میں، معاشرت ومعیشت میں، سیاست وتمدن میں ہم صرف دوسروں کے نقالی بن کر رہ گئے ہیں۔ ایک ایک کرکے ہم اُن سب اصولوں کو چھوڑ بیٹھے جن پر عمل پیرا ہونے کی آپ نے ہمیں ہدایت کی تھی۔ اور رفتہ رفتہ ہم نے وہ سارے اقدار واطوار اختیار کرلئے ہیں جن سے دور رہنے کا حکم آپ نے ہمیں دیا تھا۔ ہم اس گرانمایہ ہستی کا یوم پیدائش بھی مناتے ہیں تو ہمارا سارا طرز عمل آپ کی ہدایات و تعلیمات کے یکسر منافی ہوتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داستان حیات رستم وسہراب کا قصہ نہیں ہے۔ اس کا مقام یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم اسے اپنے سیاسی عزائم اور گروہی مفاد کے لئے استعمال کریں۔ اسکی قدر وقیمت اجازت نہیں دیتی کہ ہم اسے نعرہ بازی، شور وشغب اور ہنگامہ آرائی کا ذریعہ بنالیں۔ اس کا احترام روکتا ہے کہ ہم اسے قومی تفاخر کے جذبہ کی تسکین کا واسطہ سمجھ لیں۔ سخت ناانصافی اور بڑی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں جب ہم ذات گرامی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض مسلمانوں کے ایک رہنما اور قائد کی حیثیت سے دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ ہمارا غلط طرز عمل ہی ہے کہ محافل میلاد اور جلسہ ہائے سیرت کے انعقاد کے باوجود ہماری زندگیوں میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ جذبے انگڑائی نہیں لیتے، عزم وہمت کی رگوں میں نیا خون نہیں دوڑتا، ذوق عمل میں حرارت نہیں پیدا ہوتی۔ ہم میں وہ شرار آرزو نہیں پیدا ہوتا جس کی گرمی نے ایک بے سروسامان عرب کو صدیوں کے جمے ہوئے فاسد نظام کے خلاف معرکہ آرا کردیا تھا۔ ہمیں وہ سوز ایمان حاصل نہیں ہوتا جس نے ایک یتیم بے نوا کو عرب وعجم کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والا بنادیا تھا۔

آج پوری دنیا ایک مسلسل پریشانی ایک خوفناک اضطراب اور ایک تباہ کن کرب میں گرفتار ہے۔ گھروں سے لے کر بین الاقوامی تنظیموں تک، کشمکش، تصادم اور بدگمانی کا راج ہے، روحانی قدریں چوپٹ ہوچکی ہیں قانون روح عدل سے خالی ہے، سیاست تو محض اغراض پرستی کا آلہ بن کر رہ گئی ہے، معیشت کے میدان میں ظالم اور مظلوم طبقے پیدا ہوگئے ہیں اور ان کے درمیان تصادم برپا ہے۔ علم کی روشنی بڑھ رہی ہے مگر زندگی کی شب شب تاریک سے تاریک تر ہوتی جارہی ہے۔ دولت کے خزانے بکھرے پڑے ہیں مگر خدا کی مخلوق فاقہ کشی، ننگے پن اور محرومی کے عذاب میں گرفتار ہے۔ غرض پوری انسانیت ایک عالمی بحران اور شدید کرب کا شکار ہے۔ وقت پر راستہ پر پیچھے لوٹنے کا امکان نہیں۔ بحران کے چیلنج کا جواب دینے کی صلاحیت موجودہ مادی تہذیب اور اس کی قیادت میں نہیں ہے ہمہ گیر اضطراب کا بھیانک اندھیرا ہے جو پوری انسانیت کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔

انسانیت کے قافلۂ جلیل اور پریشان حال دنیا کے محسن عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام کی صرف ایک مشعل ہے جو اس بکراں تاریکی میں اجالے بکھیر سکتی ہے۔ کوئی ہے جو اس ربانی پیغام کا مشعل بردار بن کر کراہتی ہوئی انسانیت کی چارہ سازی کے لئے آگے بڑھ سکے۔

# پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

محمود الازہار ندوی

امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن نے اپنی یادداشت میں دنیا کے عظیم لیڈروں کے متعلق اپنے خیالات و تجربات قلمبند کئے ہیں، ان ہی میں روس کے سابق صدر برزنیف اور خروشچوف بھی ہیں۔ برزنیف کے متعلق یادداشت کو لندن اور جدہ سے شائع ہونے والا ہفت روزہ "المجلۃ" نے شائع کیا ہے جس میں رچرڈ نکسن نے برزنیف سے متعدد ملاقاتوں اور بالشاہہ گفتگو کو قلمبند کیا ہے۔ ہم یہاں پر ڈائری کے ان حصوں کا خلاصہ نذر قارئین کر رہے ہیں جن کا تعلق برزنیف اور کمیونسٹ دنیا کی طرز زندگی اور رہائش سے ہے۔ نکسن نے اس یادداشت میں برزنیف کی مزاجی کیفیت کو بہت اہمیت دی ہے یہاں تک کہ ان کے لباس اور ان کی پسندیدہ چیزوں کا خروشچوف سے موازنہ کیا ہے۔ نکسن لکھتے ہیں:۔

سوویت روس برزنیف کے دور میں پورے عالم پر تسلط کی پالیسی پر گامزن رہا، برزنیف اور ان کے پیش رو متضاد نظریات کے حامی تھے۔ خروشچوف عام قسم کی ایسی قمیص جوان کے لئے مناسب نہ بھی ہو پہن لیتے تھے۔ برخلاف برزنیف کے کہ وہ فرانسیسی طرز کی کالر دار قمیض پہنتے تھے، سونے کے بٹن لگاتے تھے اور قیمتی ریشم کے عمدہ سلے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، دونوں لیڈروں کا محبوب مشغلہ شکار تھا۔ خروشچوف بطخ کے شکار کے شوقین تھے جب کہ برزنیف بڑی سوروں کے شکار کا شوق رکھتے تھے نیز وہ آسائش و آرام اور سجاوٹ کے دلدادہ تھے، عمدہ اور نادر اشیاء جمع کرنے کے شوقین تھے، وہ مزدور حکومت کے پہلے سربراہ تھے جن کے پاس شاندار قسم کی ایسی موٹر گاڑیاں تھیں جسے سرمایہ دار ممالک نے بنایا تھا۔

نکسن برزنیف کی رنگین زندگی کے متعلق لکھتے ہیں، وہ زندگی میں حسن و جمال سے لطف اندوز ہونے پر یقین رکھتے تھے، الیزبت کی قیادت ہیرین نسل کے گھوڑوں کی دوڑ اور حسین و جمیل دوشیزاؤں کی صحبت سے منسلک ہوتے تھے۔

ہم برزنیف کے ساتھ ۱۹۷۳ء کی چوٹی کانفرنس جو کیمپ ڈیوڈ میں منعقد ہوئی تھی ان کی رہائش گاہ پر پہلی نشست کے لئے گئے، جب میں قیامگاہ کے قریب پہونچا تو ایک خوبصورت سڈول جسم کی لڑکی نے استقبال کیا، یہ حقیر شبیہ) برزنیف کے میل کے برابر ہے"، کے الفاظ کے ساتھ ترجمان نے اسے ہمارے سامنے پیش کیا، اور جب میں نے اس سے ہاتھ ملائے تو مجھے جانے پہچانے عطر کی خوشبو محسوس ہوئی جو اس نے لگا رکھے تھے وہ "آس بیچ" سینٹ تھا جسے فرانسیسی سینٹوں میں عمدہ اور اچھا تسلیم کیا جاتا ہے اور اتفاق ہے کہ اسی عطر کو میری بیوی بھی پسند کرتی تھی۔

برزنیف دنیا کے لیڈروں میں پہلے شخص نہیں تھے جو عیش و عشرت کی زندگی کا دلدادہ رہے ہیں بلکہ وہ پہلے روسی تھے جس نے بڑی بے شرمی و بے جائی سے عیش و عشرت کی زندگی گذاری، جب میں نے ۱۹۷۶ء میں چین کا دورہ کیا تو چین کانگریس کے نائب چیرمین نے گفتگو کے درمیان بار بار اس بات کا اعادہ کیا کہ سوویت روس کے لیڈر چین کے مقابلہ میں بے دین ہیں، ایک بڑی تعداد جن کا تعلق سیاست اور تعلیم سے ہے وہ عیش و تنعم کی زندگی گذارتے ہیں، ذرا غور تو کیجئے حکومت کے لیڈر اور پارٹی کارکنان اور سائنسدان وغیرہ اس وقت لکھ پتی ہیں اور ان کے اخراجات لکھ پتیوں کی طرح ہیں اور یہ سوویت روس کی سب سے بڑی مشکل ہے برخلاف چینی ساختہ کے کہ ان میں طبقاتی فرق برائے نام ہے اس سلسلہ میں چینی لیڈر نے اپنی گفتگو میں سوویت روس کو مورد الزام ٹھہرایا، چینی لیڈروں کے الفاظ کے مطابق برزنیف نے ایک جدید طبقہ کی تشکیل کی ہے اور یہ طبقہ عام روسی باشندوں کے مقابلہ میں آزاد و خود مختار ہے اور اسے ان کی ضروریات و مسائل سے نہ کوئی دلچسپی ہے اور نہ پروا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے جب جب سوویت روس کا دورہ کیا اپنے ذہن کو یہ سوچنے اور سمجھنے سے باز نہ رکھ سکا کہ کمیونسٹ ڈوکٹرین مارکس کی تعریف کے مطابق ایسا حکمراں طبقہ ہے جس کی مثال کسی بھی سرمایہ دار ملک میں نہیں ملتی، میں نے ایک لطیفہ سنا جس سے تضاد واضح ہو جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ،

برزنیف نے ایک مرتبہ اپنی والدہ کو موسم گرما کی شاندار قیام گاہ دکھانے کے لئے لے گئے۔ انھوں نے عمدہ پارک، طلائی محلوں، اور برزنیف کی خواب گاہ وغیرہ دیکھنے کے بعد اچانک تعجب انگیز لہجہ میں برزنیف کو مخاطب کر کے کہا "لیونڈ! یہ سب تو بہت خوبصورت اور شاندار ہے لیکن اس وقت کیا کرو گے جب کمیونسٹ واپس آجائیں گے؟"

نکسن مزید لکھتے ہیں کہ،

برزنیف اپنے مخصوص زندگی کی وجہ سے شہنشاہ سے کم نہیں تھے اس کی توسیع پسندانہ خارجہ پالیسی قدیم شہنشاہوں کی توسیع پسندانہ عزائم کی آئینہ دار تھی، اگرچہ قدیم نظام حکومت کے سربراہ ہوتے تو انھیں "لیونڈ اعظم" کے نام سے یاد کیا جاتا کیونکہ اس نے دنیا میں روس کو بڑی کامیابی سے پروان چڑھایا، جنوبی ویت نام، کمبوڈیا، لاوس، ایتھوپیا، جنوبی یمن، انگولا اور موزمبیق پر قبضہ کر لیا اور سب سے آخر میں افغانستان پر قبضہ کر لیا، اور مزید برآں کہ روسی کمیونسٹ کا دائرہ اثر بحر کاریبے اور وسطی امریکہ تک پہونچ گیا جو خطرہ کی ایک گھنٹی ہے۔

خروشچوف کے زوال سے افراد تو بدل گئے تھے مگر طریقہ کار میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور برزنیف کے عزائم و مقاصد خروشچوف کے مقاصد اور عزائم سے مختلف نہ تھے مگر برزنیف نے سوویت روس کی طاقت میں اضافہ کیا، اثر و نفوذ کو وسیع کیا اور ہر حال میں کمیونزم کو فروغ دیا۔ خروشچوف دھوکہ دینے اور دھمکی دے کر پیچھے ہٹ جانے اور وعدہ کر کے مکر جانے کے ماہر تھے، شاید وہ اس پر مجبور بھی تھے۔ کیونکہ اسے سودمند مہرے حاصل نہ تھے جب کہ برزنیف نے سوویت فوجی طاقت کی زیادتی کی وجہ سے سودمند مہرے حاصل کر لئے تھے۔

خروشچوف اور برزنیف کی سیاسی پالیسی لندن جانسن کی پالیسی سے بہت حد تک قریب تھی، دونوں لیڈر اپنی بات کو شعوری انداز میں پرزور طریقے سے پیش کرتے تھے۔ خروشچوف ہمیشہ دھمکی سے کام لیتے تھے جب کہ برزنیف کا طرز عمل اس سے مختلف تھا وہ اپنے تیور اور جذبات کو گفتگو کے دوران درشت اور سخت کر لیتے تھے اور ہمدردانہ جذبہ کو مملکتوں کے انجام کار تک پہونچا دیتے تھے۔

سوویت روس کے دونوں لیڈروں میں بنیادی تضاد تھا اور اسی تضاد کی وجہ سے دونوں لیڈروں کو کمیونسٹ ممالک پر گرفت مضبوط کرنے اور سوشلسٹ ممالک پر اپنے اثر و نفوذ کو بڑھانے میں مدد ملی۔

نکسن نے اپنی یادداشت میں روس کی توسیع پسندی، شرق اوسط کے متعلق روس اور امریکہ کے مابین اختلافات، روس کا متعصبانہ طرز عمل، روسی لیڈر شپ کیا چاہتی ہے، روس حقیقتاً خطرہ ہے، جیسے عنوانات کے تحت اپنے مشاہدات و تجربات قلمبند کئے ہیں، انھوں نے پرزور انداز میں تحریر کیا ہے، امریکہ کو عسکری، اقتصادی پر مضبوط رہنا چاہئے اور عزم کا پابند ہونا چاہئے۔ سوویت روس ہمیں اسی وقت قابل اعتنا سمجھے گا جبکہ وہ ہم کو باعزم اور طاقتور محسوس کریگا۔ نکسن اپنی بات کو اس پر ختم کرتے ہیں کہ امریکہ کو اپنا دباؤ اسقدر بڑھانا چاہئے کہ جس سے تبدیلی اور انقلابات رونما ہو سکیں۔ اور اس صورت میں ہم اچھے اختتام کی امید کر سکتے ہیں۔



# تبدیلئ مذہب کو روکنے کے لئے

## مرکزی وزارت داخلہ کا ریاستی حکومتوں کو مشورہ

ایک مقامی روزنامہ کی خبر کے مطابق مرکزی وزارت داخلہ نے ریاستی حکومتوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ترغیب یا دوسرے غیر قانونی ذرائع سے مذہب کی تبدیلی کو روکنے کے لئے ریاستی سطح پر قانون بنائیں۔ یہ قانون اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کے موجودہ قوانین کے نمونہ پر بنایا جانا چاہئے، جنھیں عدالتوں نے جائز قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت نے یہ قدم کچھ عرصہ قبل تامل ناڈو اور دوسرے علاقوں میں بڑے پیمانے پر تبدیلی مذہب کے واقعات کے پیش نظر اٹھایا ہے۔ وزارت داخلہ نے ان واقعات کے پیش نظر جماعت اسلامی ہند اور مسلم لیگ کے سرگرم کارکنوں اور اشاعت اسلام سبھا اور تبلیغی جماعت جیسے تبلیغی گروہوں کی خاص طور پر نشاندہی کی ہے جو بقول اس کے ہریجنوں کو مسلمان بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ وزارت داخلہ نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ ۱۹۸۱ء سے تبلیغی جماعتوں کی ہندوستان کے باہر سے آمد کافی بڑھ گئی ہے۔ ان کے علاوہ متعدد مسلم رہنما مسلمانوں کی مختلف کانفرنسوں میں شرکت کی غرض سے ہندوستان کے دورے پر آتے رہے ہیں، اس کے علاوہ خلیجی جماعتوں سے اداروں، جماعتوں اور مسجدوں کے لئے نہ صرف یہ کہ کھلے عام بلکہ خفیہ طریقوں سے بھی امداد آرہی ہے۔ وزارت داخلہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جماعت اسلامی ہند اور دوسرے مسلم گروپ خاص کر تامل ناڈو میں جس سرگرمی اور مستعدی سے کام کر رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں پچھلے دو تین برس کے عرصہ میں مسلم ممالک اور بین الاقوامی مسلم تنظیموں سے مالی مدد ملتی رہی ہے۔ خود تامل ناڈو کے مسلمان بھی کافی خوشحال ہیں۔ جن کا خلیجی ملکوں سے رابطہ ہے۔ یہ لوگ بھی ان تنظیموں کی کوششوں میں ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

پاکستان کی بین الاقوامی تنظیم مؤتمر عالم اسلامی بھی اس تحریک میں پیش پیش ہے، جس نے مینا کشی پورم اور اس کے آس پاس تبدیلئ مذہب کا سہرا اپنے سر لیا ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ۱۹۸۲ء کے آخر میں ان تبلیغی تحریکوں نے دو لاکھ ہریجنوں کو مسلم بنانے کا نشانہ مقرر کیا ہے اور لندن کے اسلامی ثقافت کے مرکزی خلیجی ممالک کے تیل کے وسائل اور دوسرے عرب ممالک کی امداد کے بل پر آٹھ کروڑ ہریجنوں کو مسلمان بنانے کا عزم رکھا ہے جس سے موجودہ دہائی کے خاتمہ تک مسلمانوں کی تعداد بڑھ کر بیس کروڑ ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے۔

وزارت داخلہ نے لندن کی اس تنظیم کے متعلق بھی تشویش کا اظہار کیا ہے کہ ہریجنوں کو مسلمان بنانے کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کے تحفظ کو یقینی بنانا ہے۔ وزارت داخلہ نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ تبدیلئ مذہب کی حالیہ تحریک سے اکثریتی فرقہ کو یہ تشویش لاحق ہو گئی ہے کہ بعض مفاد پرست عناصر انھیں اقلیت میں بدلنے کے منظم منصوبہ پر عمل کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ کی صورت میں نکل سکتا ہے۔

آگے چل کر وزارت داخلہ کے اس نوٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ریاستی حکومتیں ایسے اقدامات کریں جن سے مذہب تبدیل کرنے کے واقعات کے نتیجے میں فرقہ وارانہ کشیدگی کو پھیلنے سے روکا جا سکے۔ اس سلسلے میں سیاسی اور انتظامی دونوں طرح کے اقدامات کا مشورہ دیا گیا ہے۔ خود حکومت تامل ناڈو سے کہا گیا ہے کہ وہ ہریجنوں کی حالت سدھارنے کے لئے فکر کرے۔ دوسری طرف ریاست کی خفیہ ایجنسیوں کو ایسے ہندوستانی اور غیر ملکی عناصر کی سرگرمیوں پر نظر رکھنی چاہئے جو تبدیلئ مذہب کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں اور جب بھی ضرورت ہو ایسے عناصر کو ریاست میں آنے سے روکنا چاہئے۔ مزید براں ان عناصر کو غیر ممالک سے حاصل ہونے والے وسائل کا جائزہ لینے اور اس پر پابندی عائد کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ وزارت داخلہ نے ریاستوں کی انتظامیہ کو بھی یہ مشورہ دیا ہے۔ وہ مذہب تبدیل کرنے والے ہر ہریجن ملازموں کے بارے میں یہ فیصلہ کریں کہ کیا مذہب تبدیل کرنے کے بعد بھی انھیں شیڈولڈ کاسٹ کی حیثیت سے حاصل مراعات ملتی رہنی چاہئیں یا نہیں۔

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے وزارت داخلہ کی پوری رپورٹ لفظ بلفظ نقل کر دی ہے تاکہ اس مسئلہ کے بارے میں وزارت داخلہ کے انداز فکر اور اس سے نمٹنے کے لئے زیر غور تجویزوں کی پوری تصویر سامنے آجائے ہمیں سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ تبدیلئ مذہب کے سوال پر جتنی باتیں ہم آر، ایس، ایس اور وشو ہندو پریشد کے لیڈروں سے سنتے رہے ہیں اور ان کی ترجمانی کرنے والے اخبارات آرگنائزر اور پنچ جنیہ وغیرہ کے صفحات میں جو تبصرے تجزیے اور اندیشے ظاہر کئے جاتے رہے ہیں وہ سب اس رپورٹ میں موجود ہیں۔ اس سوال پر وزارت داخلہ اور فرقہ پرست تنظیموں کے رہنماؤں کے انداز فکر میں یکسانیت حیرت انگیز بھی ہے اور تشویشناک بھی اگر مرکز میں کانگریس آئی کے بجائے بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرکار ہوتی اور وزیر داخلہ کے عہدہ پر اٹل بہاری فائز ہوتے تب بھی کیا یہ رپورٹ ایسی ہی نہیں ہوتی۔ یہی وہ خاص بات ہے اس رپورٹ کی جو ہم نے نوٹ کی، اس پر تمام مسلم تنظیموں، اداروں اور پارلیمنٹ کے مسلم ممبروں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ جب ہم رام گوپال والے لال کرشن ایڈوانی یا آر، ایس، ایس کے کسی لیڈر سے تبدیلئ مذہب کے لئے بیرونڈ الرکے استعمال اور مسلم اقلیت کو اکثریت میں بدل کر ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا لہرانے کی بات سنتے ہیں تو اسے ان کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی پر محمول کرتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں، لیکن اب یہی بات وزارت داخلہ کی دستاویزیں کہی جا رہی ہے۔ وزارت داخلہ حکومت کی آنکھ ہے سراغرسانی جانچ پڑتال اور تحقیق و تفتیش کے تمام ادارے اور انٹیلی جنس ایجنسیاں اس کے ماتحت ہیں، اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تبدیلی مذہب اور اس میں پٹرو ڈالر کی کارفرمائی کے بارے میں جس انداز فکر کو پیش کیا گیا ہے وہی انداز فکر حکومت ہند کا بھی ہے۔

یہ رپورٹ میرٹھ، بڑودہ، بہار شریف، بھیواری شریف اور علی گڑھ وغیرہ میں ہونے والے فسادات کا جواز بھی فراہم کرتی ہے۔ اس میں نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ تبدیلئ مذہب کی منصوبہ بند کوشش سے فرقہ وارانہ کشیدگی کو بڑھاوا ملا ہے، اس نتیجے کی بنیاد پر آئندہ ہونے والے فسادات بھی اسی کھاتے میں ڈالدئے جائیں گے۔ اس رپورٹ کے مطالعہ کے بعد یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ میرٹھ کے فساد پر مسلمانوں کے نالہ و شیون آہ و بکا اور فریاد و مطالبات کا کوئی مثبت ردعمل کیوں سامنے نہیں آتا اور نمٹنے نمٹانے کے بعد کیوں مسلمانوں کو ہی فساد کے لئے ذمہ دار قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے، اسی لئے ہماری رائے یہ ہے کہ سنجیدگی اور ٹھنڈے دماغ سے اس پر غور کیا جائے۔

ہزاروں عیسائی مشنریاں آزادی کے قبل سے ہی اس ملک میں سرگرم ہیں ان کے بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں ان کے اخراجات کے لئے ہر سال کروڑوں ڈالر امریکہ اور یورپ سے آتے ہیں لیکن وزارت داخلہ کی اس رپورٹ کا نشانہ صرف مسلمان اور ان کی جماعتیں ہیں، جیسے عیسائی مشنریوں سے اسے کوئی پریشانی نہیں ہے۔

(بشکریہ نقیب)

نگران اعلیٰ
مولانا ابوالعرفان ندوی
مجلس ادارت:
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی
پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے پریکاش پیکرز، گولا گنج لکھنؤ میں طبع کر کے دفتر تعمیر حیات شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

وفیات

# مولانا شکیل عباسی ندوی مرحوم

سید محمد الیاس، ایم۔ اے (ناظر معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء)

عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مرجاتا نہیں  روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں

۹ دسمبر کو قومی آواز میں مولانا شکیل احمد عباسی صاحب ندوی کے سانحۂ ارتحال کی خبر پڑھکر قلبی و روحانی تعلق کی بنا پر بے حد افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا اس پُر آشوب زمانہ میں قلندرانہ صفات کے حامل تھے۔ عمر کے بیاسی سال ان پر گذر چکے تھے۔ مسلسل مضمحل امراض کی بنا پر ادھر چند سال سے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔ پھر بھی اپنی زبان و قلم کے ذریعہ شدید ترین رکاوٹوں کے باوجود دینی و ملی کاموں میں اپنے کو مصروف رکھتے تھے۔ جس شب نفس مطمئنہ اپنے خالق سے جا ملی اسی شام کو مسجد کا حساب طلب کیا۔ رات بارہ بجے تک حسب معمول مضمحل امراض کی تکلیف برداشت کرتے رہے اور تقریباً دو بجے رات میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور فاذخلی فی عبادی وادخلی جنتی کے مژدہ کے مستحق قرار پائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر شخص کا انفرادی تعلق اپنے مالک و مولیٰ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون کیسا ہے مگر اخلاص و ایمان کی جو نشانیاں بتائی گئی ہیں وہ مولانا شکیل صاحب مرحوم میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ زندگی کے آخری اوقات میں اُن کے چہرے کی بشاشت اور ہونٹوں کی مسکراہٹ علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے مصداق تھی ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم  چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

مومن و کافر کی موت میں جو فرق ہے اس کا پورا اظہار مولانا شکیل مرحوم کے وصال کے وقت ہوا۔

خوش حال گھرانے میں پیدائش کے باوجود مولانا موصوف ابتدا ہی سے گندے ماحول سے بچتے رہے۔ مولانا اپنے عزم و ارادے کے پکے تھے۔ اور بقول شاعر ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش  میں زہر ہلاہل کو بھی کہہ نہ سکا قند

مولانا نے افضل الجہاد کلمۃ الحق کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ جسے سچ جانا اس کے لئے آخر وقت تک چٹان کی طرح جمے رہے۔ پیش نظر صرف خدا کی خوشی تھی۔ اور اس کے حکم کی بجا آوری قریب سے قریب تعلق اور رشتہ کی ساری نزاکتیں مولانا موصوف کو راہ حق سے نہ ہٹا سکیں۔

میری ملاقات مولانا سے ۱۹۳۹ء میں ہوئی۔ وہ اسلامیہ کالج میں فارسی کے استاد تھے اُن کی شاگردی کا شرف تو مجھے حاصل نہ ہو سکا، لیکن اُن کی شفقت اور نظر عنایت سے برابر مستفید ہوتا رہا۔ یہ تعلق بڑھتا ہی گیا اور غالباً ۱۹۶۳ء میں میرے چھوٹے صاحبزادے کی شادی مولانا کے حقیقی بھانجے کی لڑکی کے ساتھ انہی کے ایما پر ہو گئی۔ خط و کتابت کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ مولانا موصوف تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن تھے، جب تک ہاتھ پیر میں سکت رہی قلم سے زیادہ قدم پر اعتماد کرتے ہوئے دین و ملت کا کام کرتے رہے۔ وہ گوشہ نشین مرد قلندر تھے۔ نام و نمود و شہرت سے کوسوں دور آبائی وطن بیارہ میں رہتے ہوئے انھوں نے قرب و جوار میں دین و مذہب کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ بیارہ میں بیت المال کا قیام، عمدہ پیمانے پر مکتب کا انتظام، لوگوں کو زکوٰۃ دینے اور سود سے بچنے کی تلقین اور دوسری اسلامی باتوں سے لوگوں کو زندگی کی آخری سانس تک روشناس کراتے رہے۔ یہ ہماری بڑی بدنصیبی ہے کہ ہم زندگی میں ایسے بزرگوں کی قدر نہیں کرتے۔ مولانا ادیب، اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کے کلام کا ایک مجموعہ 'جوئے بار' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، جس کے نعتیہ اشعار سے مولانا موصوف کا رسول اکرم صلعم سے عشق دلگداز ظاہر ہوتا ہے۔ مولانا موصوف کی نظم محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، مقبول و خاص و عام ہے۔

مولانا کا اپنا ایک خاص انداز تھا، وہ درس و تدریس کے زمانے میں بھی تبلیغ کے کام کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ زندگی کا ہر فعل عبادت ہے بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کیا جائے وہ بچوں کے ذہن میں اسلامی نظریات کی بنیاد بڑی پختگی کے ساتھ ڈالتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

ان ایک مکتوب جو ۱۹۶۲ء ہے ان کی بہت سی خوبیوں کی عکاسی کرتا ہے قارئین کے سامنے پیش ہے۔ امید ہے کہ یہ مکتوب جو طویل ہے قارئین کے لئے دلچسپی کا سبب بنے گا۔ اس خط سے ذاتی نوعیت کے حصے نکالدئے گئے ہیں۔

سراپا اخلاص، بکس نواز زیدت معالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی آنکھوں کی روشنی میں کمی اور آپ کی قوتوں کے اضمحلال کو دیر تک سوچتا تھا، بلکہ نگاہ دور تک گئی اور اس مشورے کو جی چاہا کہ اب منصبی ذمہ داری کا بوجھ اُتار کر گھر پر رہیے۔ کتابوں کا مطالعہ اور دینی خدمت اور خاندان اور گاؤں میں کچھ ایسے اصلاحی کاموں میں جنھیں معاشرے کا موجودہ ذہن برداشت کر سکے آخرت بینی میں وسعت پیدا کرتے ہوئے زندگی کے بقیہ ایام گزار دیجئے۔

میرے سکون دل کے لئے بڑا سبب وہ بصیرت ہے جو فانی زندگی کی حقیقت کو نگاہ میں رکھنے کی بابت مجھے بحمد اللہ ہوش سنبھالنے کے بعد ہی مل گئی تھی ایک رشتے کے پھوپھا تو ۷۷ سال کی عمر میں جاں بحق ہوئے تو میں یہ سوچنے لگا کہ میں بھی اسی طرح (اگر زندہ رہا) تیزی سے اس منزل پر پہنچ جاؤں گا۔ اس احساس کی قوت کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ آٹھویں درجے کے سالانہ امتحان کو انگریزی اور ریاضی میں امتیاز حاصل ہونے کے باوجود چھوڑ کر دین کی معرفت کی راہ پر مجاہدانہ چل پڑا۔ کان پور کے ایک چھوٹے سے مدرسے میں میزان منشعب کے اسباق یاد کرتے ہوئے مجھے وہ ماں تک یاد نہیں آئی جس کا میں چہیتا دلبند بھی تھا اور فدائی بھی، اور اس بہن کی محبت بھی میرے روحانی مشغلے میں مخل نہیں ہو سکی جس کے ساتھ دینی انحطاط کے اندھیرے میں اصلاحی کوشش کے دیے جلا رہا تھا ۱۹۳۸ء مسلمان نوجوانوں کے تابناک مستقبل کا دور تھا تحصیل اور تھانے میں مسلمانوں کے لئے جگہیں محفوظ رہتی تھیں اور مقابلے کے امتحان کے بغیر ملتی تھیں۔ ناصحان مشفق کہتے تھے کہ صرف دو برس اور اس اسکول میں پڑھ کر میٹرک کی سند لے لو اس کے بعد جو چاہو کرو۔ میرا جواب یہ ہوتا تھا میں اپنے اونٹ کو بادشاہ کے باغیچے کے پاس چرانے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میرے پاس بھی نفس ہے ممکن ہے کہ میں نوکری پا کر اس کو رشوت سے نہ روک سکوں۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا! ـــــ ہاں تو میری رائے ہے کہ آپ ندوہ کی ملازمت کی مصروفیت کو دینی اور اصلاحی خدمات سے بدل دیجئے اور قناعت کے ساتھ آبائی پونجی استعمال کرتے ہوئے سو فیصدی آخرت بینی کی طرف آجائیے۔ گھر پر رہیے۔ ندوہ سے آپ کو کچھ نہیں ملے گا اور علی میاں صاحب مدظلہ کا پروگرام معلوم کر کے ممدوح کی خدمت میں مختصر حاضری اور اس سے ہدایات اور فیوض باطنی کا حصول ہوتا رہے گا۔ میری ایک رائے اور ہے جسے میں ڈرتے ڈرتے پیش کر رہا ہوں آپ اپنے مرشد سے اجازت لیکر سال میں ایک بار دلی کے تبلیغی مرکز (بنگلے والی مسجد) میں چند دن گذاریں اور اگر پسند آئے تو کسی اچھی جماعت کے ساتھ دور کا سفر ایک چلہ دے کر کرتے رہیں۔ سال کا یہ ایک چلہ اور پنے گاؤں کے گوشے کو پُرسکون بنائے گا اور وہاں کے دینی کاموں کے لئے سلیقہ دے گا۔ چودہ سو برس پہلے ختم رسالتؐ کا صرف ۲۲ سال میں جو نرالا کارنامہ ہے اس میں اللہ کے قلم کے ساتھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم ہے، بلکہ لوح محفوظ کا مقدس کلام ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کے ہم رکاب ہے اور اس محنت میں طائف کا لہولہان جسم اطہر اور "احد" کے موقع پر دندان مبارک کی شہادت بھی شامل ہے۔ قلم کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے جب کہ بندوں کی ہدایت کے لئے خود رب العزت کی بارگاہ میں لوح و قلم موجود ہے، لیکن حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز دعوت اور طور معاشرت کو رہنما بنائے بغیر کام بنے گا نہیں۔ وہاں ٹلوں میں چھالے ہیں اور یہاں نرم پاپوشوں میں ملائم موزے!! قافلہ منزل پر تو اسی وقت پہنچ سکے گا جب ٹھیٹھ پیروی کی جائے گی، اور اس میں ایک مقام یہ بھی آتا ہے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اکہرے ٹاٹ پر استراحت فرما ہیں اور کھانا اسٹول پر رکھ دیا جاتا ہے تو جبین اقدس پر شکن پڑ جاتی ہے۔ چپل کے تسموں کو انھیں انگلیوں سے جان نثاروں کے سامنے خود جوڑتے ہیں جن کے ایک اشارے سے چاند دو



طلبہ کا صفحہ

آفتاب عالم (فضیلت دوم)

# اِن غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب

تاریخ کو بگاڑنا، حقائق کو مسخ کرنا اور اسلام کی مہیب تصویر پیش کرنا مستشرقین اور یورپین مصنفین کا طرۂ امتیاز رہا ہے، انھوں نے پروپیگنڈہ بھی بڑے زور شور سے کیا کہ قرون مظلمہ کا اسلام جو ریگستان عرب کے ناخواندہ صحرا نشینوں کو بول و براز کے آداب سکھاتا رہا، اس میں عہد برق و فولاد کے سمندروں اور فضاؤں پر فرمانروائی کرنے والے کائنات کے رازہائے سربستہ کو منکشف کرنے والے اور طبعی طاقتوں کو غلام بنا لینے والے "روشن فکر" انسان کی فکری و عملی رہنمائی کرنے اور اس کی برق رفتاری کا ساتھ دینے کا دم خم کہاں ہے؟ اسلام جن دقیانوسی اور فرسودہ نظاموں پر عصر حاضر کو فکر و پیغام کی دولت سے مالا مال کرنا چاہتا ہے زمانہ انھیں پھینک کر کوسوں دور نکل چکا ہے، ان کا عصر حاضر کا ساتھ دینا تو کجا، اب وہ خود دم توڑ رہے ہیں ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔

لیکن تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار، اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری، دعوت اسلامیہ کے عروج و ارتقاء اور شبہات پیش افتادہ مسائل پر کڑی نظر رکھنے والا اس حقیقت سے کبھی چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ عہد جدید کا ساتھ دینا کیا معنی؟ یہ تو اسلام کی پوزیشن سے فروتر ہے، اسلام تو عہد جدید کی رہنمائی کر سکتا ہے، اور اس کا نگراں و محتسب بن کر اس کو راہ راست پر لا سکتا ہے۔

آئیے ہم بھی دیکھتے چلیں کہ آخر اس ماڈرن دور کی خصوصیات کیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر طبعی تحقیقات، علمی انکشافات اور صنعتی اختراعات میں حیرت انگیز ترقی کر چکا ہے۔ کائنات اور نوامیس حیات کے اسرار فاش کرنے اور طبعی طاقتوں میں نظم و ترتیب قائم کرنے میں غیر معمولی کامیابی حاصل کر لی ہے، غرض چہار سو ہماہمی، شور شغب اور ہٹو بچو کا ایک عالم بپا ہے اور ہر طرف اسلحہ کی دوڑ ہے، اس لئے بے شک یہ عہد انکشافات و ایجادات اور برق و فولاد کا عہد ہے لیکن اس میں نیک خواہشات اور پاکیزہ جذبات کا فقدان ہے۔ ایک طرف وسائل میں وہ قارون ہے تو دوسری طرف نیک مقاصد میں قلاش محض، اس روحانی غربت اور اخلاقی اقدار کے فقدان نے ان نیم وحشیوں کے ظلم خوگر ہاتھوں سے ظلم و بربریت، خود فروشی و خدا فراموشی کے ایسے ایسے انسانیت سوز اسٹیج سجوائے کہ حیوانیت کے سابقہ تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے، بقول اقبالؒ ؎

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی

ہر طرف خطرہ کا سائرن بج رہا ہے اور ہر میٹر ایک خطرناک طوفان کی خبر دے رہا ہے، کیا بعید ہے کہ ہائیڈروجن اور نائٹروجن بموں سے چشم زدن میں نسل انسانی کی پوری عمارت دائنامیٹ کر دی جائے اور اپنے ہی ہاتھوں سے بنے اسلحے خود انھیں کے لئے پیام موت ثابت ہوں، اس لئے اب تو عصر حاضر کو اسلام کی کہیں زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ اب مسئلہ اس کے ساتھ دینے اور نہ دینے کا نہیں رہا، اب تو مسئلہ ہے اس کے بچانے کا، اور اس مہلک غار سے محفوظ رکھنے کا جس میں وہ خود کشی کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار کھڑا ہے۔ اس نقار خانہ میں اب تو شاید ان ازموں اور فلسفوں کی آواز بھی نہ سنی جائے، جو کہ سطحی و خوش نما نعروں اور بلند بانگ دعووں سے دنیا کی کایا پلٹنا چاہتے ہیں، اس کو شدید ضرورت ہے اس اسلام کی جو نیکی کا رجحان اور نیک عمل کی خواہش پیدا کرتا ہے، ایمان و یقین کی روشنی اور اخلاق و کردار کی طاقت سے نوازتا ہے، فکر و عمل میں توازن و ہم آہنگی اور جذبات و احساسات میں پاکیزگی پیدا کرتا ہے، اور اقدار و مبادی، احساس ذمہ داری، اخوت و بھائی چارگی اور خوف خدا جیسی ابدی و سچی بنیادوں پر شالی معاشرہ کی تعمیر کرتا ہے۔

یہ تھی عصر حاضر کی خصوصیت جسے آپ روحانی افلاس اور نیک مقاصد سے محرومی کہہ سکتے ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے ؎

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

دوسری چیز جو عصر حاضر میں نہایت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے وہ ہے ایک معتدل و متوازن معیشت کا فقدان، اس عقدہ کو حل کرنے کے لئے سرمایہ داری اور اشتراکیت دو انتہا پسند نظریۂ تاریخ کے اسٹیج پر آئے، ایک نے انفرادی ملکیت کو اہمیت دے کر بے قید معیشت کا تصور پیش کیا، دوسرے نے اس کا بالکل برعکس موقف اختیار کیا۔ دنیا نے ان کی پذیرائی بھی کی اور ان کا کلمہ بھی پڑھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اجتماعی فلاح و بہبود کا حصول تو کجا انسانیت کو ان کی پاداش میں زبردست خراج ادا کرنا پڑا، کیونکہ یہ دونوں نظریے افراط و تفریط کا مسلسل شکار رہے ہیں۔

اسلام اشتراکیت و سرمایہ داری کی دو انتہاؤں کے بجائے ایک متوسط راہ اختیار کرتا ہے۔ وہ بے قید معیشت کو آزاد معیشت میں تبدیل کر کے اس آزادی کو اس طرح محدود کر دیتا ہے جس طرح تمدن و معاشرے کے تمام دوسرے شعبوں میں انسانی آزادی کو محدود کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ایسے تمام دروازے بند کر دیتا ہے جن سے آزاد معیشت میں فساد پیدا ہو، اسلامی نقطۂ نظر سے اصل اہمیت فرد کی ہے اور اجتماعی زندگی سے اسلام کا مقصود بجموعی خوش حالی نہیں بلکہ ایک ایک فرد کی فلاح و بہبود ہے، کیونکہ فرد ہی خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا نہ کہ جماعت، اسی لئے اسلام ہر اس اقدام کی مخالفت میں سینہ سپر ہو جاتا ہے جس میں افراد کی صلاحیتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ ملے اور مسلسل ان کے احساسات و جذبات کی پامالی ہو رہی ہو۔ مزید برآں اسلام ہر معاملہ میں انسان کو فطری حالت سے قریب تر رکھنا چاہتا ہے۔ انسانی معیشت کے لئے فطری حالت یہی ہے کہ وہ خداداد نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے عطا کردہ وسائل و ذرائع پر فرد اور گروہ بن کر آزادانہ تصرف کریں، رہے یہ بیشمار چھوٹے بڑے الزام اور فلسفے تو ان کے مصنوعی نظاموں میں ایک مستقل ذی روح انسان ایک ذی شعور شخصیت اور مقصدی اہمیت رکھنے والی ہستی کے بجائے محض اجتماعی مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ جاتا ہے۔

عصر حاضر کو اگر یہ خدشہ ہے کہ اسلام اس کی ہلاکت خیز ایجادات سے بدظن ہو کر انھیں یک قلم رد کر دے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں اتنی ہمہ گیری، توسع اور لچک ہے کہ وہ پورے وقار و متانت کے ساتھ رواں دواں زندگی کا ساتھ دینے اور اس کے نشیب و فراز سے اُلجھنے کا پورا دم خم رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاں بلب انسانیت کے مداوا کے لئے کارگر حیات میں قدم رکھنے والے بے شمار فلسفے، نظریات اور دعوتیں و تحریکیں اپنی تعلیمات میں بشری تقاضوں کی رعایت کے عنصر سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے تعطل و بے عملی کا شکار ہو کر بہت جلد گوشۂ گمنامی میں پہونچ گئیں، جب کہ اسلام دین فطرت بلکہ مکمل فطرت ہونے کی وجہ سے ناسازگار اور سنگین حالات میں بھی پھلتا پھولتا رہا، اور تاویل، تحریف، الحاد اور تجدد کے طوفانوں میں شمع اسلام روشن سے روشن تر ہوتی رہی اور "یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون" کی عظیم تاریخی حقیقت کھل کر سامنے آتی گئی۔ اب دنیا خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان "روشن ضمیر غلاموں" کے اس مسلک میں حقیقت و واقعیت کا کتنا رنگ ہے ؎

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق